حکیم سنائی

مترجم

(جناب انعام اللہ خاں صاحب ناصر)
ایڈیٹر روزنامہ الجمعیۃ دہلی

(۳)

سرجان مالکم اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ سلطان نے جو مسجد بنائی وہ شہر کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھی۔ سنگ رخام کی وضع فرشور، کا رنگ اور طلائی تندیلوں کی چمک یہ تمام اسباب جو اس کی زینت کا موجب تھے۔ دیکھنے والوں کے دل میں ایک عجیب کشادگی پیدا کرتے تھے۔ مسجد جامع کا نام عروس ملک تھا۔ اس مسجد کے بیرونی صحن میں فوارے بنائے گئے تھے۔ جن کا پانی بڑی حوض میں گرتا تھا اور اس کے لبریز ہونے کے بعد چھوٹی نالیوں کے ذریعہ بڑی نہر میں چلا جاتا تھا۔ یہ منظر عجیب کیفیت پیدا کرتا تھا کہ اس میں رنگ صنعت کے ساتھ آثار ندرت ملے جلے نظر آتے تھے۔

امین احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم لکھتا ہے کہ ہندوستان کی فتح کے بعد سلطان نے مدینۃ السلام غزنی میں خالص سنگ رخام سے ایک مسجد بنائی جسے عروس الملک کہتے تھے لیکن اب غزنی میں اس مسجد کا کوئی نشان ان سفید پتھروں کے سوا جن پر محراب کی شکلیں بنی ہوئی ہیں نہیں رہا۔ ایک محراب مزار جمع اولیاء میں نظر آتا ہے اس کے بعض حصے ٹوٹے ہوتے ہیں زیارت کی غربی دیوار کی طرف نصب ہیں اور اس کے حواشی پر آیات قرآنی منقوش ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ پتھر اسی مسجد جامع کا محراب ہے اور وہ مسجد یہیں تھی ممکن ہے کہ مسجد جامع یہیں ہو لیکن یہ قیاس کہ پتھر اسی مسجد کا محراب ہے میرے خیال سے بعید از صحت ہے۔

اول تو اس وجہ سے کہ اس پتھر کی جنسیت ایسی خوبصورت اور شاندار مسجد کے محراب کے شایاں نہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ پتھر بہت چھوٹا ہے کہ اس کو ایسی بڑی مسجد کا محراب نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن ایسے پتھر جنہیں جامع محمودی سے متعلق قرار دیا جا سکے غزنی میں اب بھی بکثرت ہیں۔ مزارات عرفاء اور ہر ایک قبر اور مسجد میں یہ پتھر نظر آتے ہیں۔

ان میں سے کچھ پتھر مصلوں کے برابر ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس مسجد سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان پتھروں پر ایک حسین خط بصورت محراب بنا ہوا ہے اور کچھ پتھروں پر جو دیوار مسجد سے تعلق رکھتے ہوں نبائت خوشنما پھول اور پتے بنے ہوئے ہیں اور ان کے وسط میں ایک شکل بنی ہوئی ہے۔ جو ہمارے امروزہ رسمی نشان سے جزئی فرق کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ ان پتھروں کے علاوہ جو مسجد سے تعلق رکھتے ہوں بعض اور سفید پتھر بھی برآمد ہوئے ہیں کہ ان پر گھوڑے، ہاتھی، بادشاہوں، سرداران جنگی کی صورتیں بنی ہوئی ہیں۔ ان پتھروں میں سے کچھ پتھر عمارات شاہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایک سنگ سفید جو حال میں غزنی کے اندر سید مکی علیہ الرحمۃ کی تربت کی دیوار سے نکلا ہے اور کابل کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ اُس پر ایک آدمی کی تصویر بنی ہوئی ہے جو ایک گھوڑے پر سوار تلوار ہاتھ میں لئے ہرن پر حملہ کر رہا ہے اور دوسرے ہاتھ سے شیر کو دفع کرتا ہے جو اس پر پیچھے سے حملہ کر رہا ہے۔ اس پتھر کی دوسری طرف حاشیہ میں نفیس بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں، اور ان پر یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔

—— زمانہ —— جمال —— کمال ——

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ پتھر اُس مکان کا ہے جو فردوسی کے لئے بنایا گیا تھا اس زمانے کے تاریخی پتھروں میں سے جو پتھر اپنی اصلی حالت میں باقی ہے وہ خود اعلیٰ حضرت سلطان محمود کا سنگ مزار ہے یہ رخام اعلیٰ اور شفاف سے بنایا گیا ہے کہ اس کی مانند پتھر کم نظر آتے ہیں شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں کہ اس وقت غزنی میں دارالعلوم کے علاوہ ایک عجائب خانہ بھی تھا جس میں اشیاء نادر اور گراں بہا رکھی ہوئی تھیں غزنی کی ان بیش بہا اور تاریخی چیزوں میں سے مانی کی کتاب ارژنگ بھی تھی ابوالمعالی محمد الحسینی علوی البلخی

نے اپنی کتاب بیان الادیان میں جو سال ۴۸۵ ہجری میں تالیف کی گئی لکھا ہے کہ کتاب ارتنگ مانی خزائن غزنی میں موجود ہے اس وقت غزنی کو جو عظمت و شہرت حاصل تھی اس کا حال ابن اثیر کی مندرجہ ذیل روایت سے قیاس کیا جا سکتا ہے ابن اثیر ۵۳۰ھ ہجری کے واقعات میں لکھتا ہے۔ جب سلطان سنجر سلجوقی بہرام کو تخت غزنی پر بٹھانے کے لئے آیا اور بہرام شاہ کے بھائی ارسلان شاہ نے شکست کھائی تو مال غنیمت میں دوسری اموال کے ساتھ سلطان سنجر کو پانچ شاہی تاج بھی ملے۔ جن میں سے ہر ایک کی قیمت ہزار دینار تھی ایک ہزار اور تین سو قطعات جڑاؤ سونے کے ہاتھ آئے امین احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم کہتا ہے کہ اس وقت کے غزنی کی وسعت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے مدرسوں اور مسجدوں کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی۔

عینی غزنی کی عمارتوں کے متعلق لکھتا ہے کہ سلطان محمود کے ہاتھیوں کے واسطے ایک ہزار احاطے تعمیر کئے گئے تھے۔ اور ہر ایک احاطے میں فیل بانوں کے واسطے ایک بڑا مکان بنایا گیا تھا۔

بیہقی لکھتا ہے کہ ایک بار مسعود پسر یمین الدولہ نے جنگ کے لئے سفر کرنے سے پیشتر سیلان شاہی میں سے ایک ہزار آٹھ سو ستر نر و مادہ ہاتھی پسند کئے غزنی کی دوسری عمارتوں میں سے وہ بند تھے جن سے غزنی کی آبیاری ہوتی تھی۔ بابر نے اپنے تزک میں ان بندوں کا ذکر کیا ہے ایک بند کا نام بند سلطان۔ دوسرے کا سخن (ممکن ہے کہ یہ زن خان ہو) اور تیسرے کا نام بند سردا بتاتا ہے۔ یہ اب بھی اسی نام سے معروف ہے۔ جب سلطان علاء الدین نے غزنی کو تباہ کیا تو ان بندوں کو بھی تباہ کر دیا۔ (اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خاں شہید نے بند سلطان کی مرمت کرائی تھی) اور بند سردے کی مرمت اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ کے حکم سے کی گئی تھی۔

سنائی کے عہد میں غزنی شوکت و تجمل کے منتہائے عروج پر تھا اور سنائی خود اس پر مباہات کرتے ہیں۔

اگرت آرزوئے معراج است — خاک غزنی ترا بہ از تاج است

اگر تجھے عروج کی آرزو ہے تو غزنی کی خاک تیرے لئے تاج سے بہتر ہے

اور حدیقہ میں فرماتے ہیں

عرصۂ مملکت چو باغ بہشت مشک ازفر سرشتہ باگل وخشت

عرصۂ مملکت باغ بہشت ہے اس کی تعمیر میں اینٹیں مشک اذفر کے گارے سے لگائی گئی ہیں

خاک ایں مملکت شدہ کافور چشم بد باد ازیں حوالی دور

اس ملک کی خاک بھی کافور ہے چشم بد اس سے دور رہے

گر بہ بینی تو ملکت غزنین باز نہ شناسی از بہشت بریں

اگر تو غزنی کو دیکھے گا تو اس میں اور بہشت بریں میں امتیاز نہ کر سکے گا۔

معاصرین سنائی

سلاطین | اس باب میں کہ سنائی نے سلاطین غزنی میں سے کس کا زمانہ پایا۔ مورخین کے درمیان اختلاف ہے دولت شاہ سمرقندی لطف علی بیگ آذر صاحب خزینہ وصاحب مجمع الفصحا کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سنائی سلطان ابراہیم ابن مسعود کے معاصر تھے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب سنائی مجذوب لائے خوار سے دوچار ہوا اس وقت اس نے سلطان ابراہیم کی مدح میں قصیدہ لکھا تھا۔

صاحب مجمع الفصحا کی رائے ہے کہ سنائی کا قصیدہ سلطان ابراہیم کی تعریف میں تھا اور سنائی سلطان محمود یمین الدولہ کے اخیر عہد میں پیدا ہوئے۔

فرشتہ لائے خوار کے واقعہ کو عہد مسعود سے منسوب کرتا ہے لیکن اس تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون سا مسعود مراد ہے، سلطان محمود کا فرزند مسعود شہید یا سلطان ابراہیم کا بیٹا مسعود تذکرہ دولت شاہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سنائی نے ابراہیم کے آخر عہد میں شاعری شروع کر دی تھی دولت شاہ مختاری کے اس قصیدے کو جو ردیف شین میں ہے سلطان ابراہیم کی مدح میں سمجھتا ہے اور اس کے مطلع کو اس طرح لکھتا ہے

ع مسلماں کشتن آئین کرد چشم نامسلمانش

مختاری کے تمام قصائد میں یہ مطلع کسی قصیدے کا نہیں اور اگر یہ قصیدہ وہی ہے جس کا ذکر دولت شاہ نے کیا تو اس قصیدے میں مختاری نے سنائی کی تعریف کی ہے

سنائی را ہلت ہا بخش تا او ہم چناں مدحے ... بپردازد کہ ہمتا نیست اندر شعر اقرانش

فروا ندیش تا او را چہ تا در خاطری بخشد ... کہ در معنی و لفظ خوش مسلم کرد عثمانش

اس قصیدے سے اور خصوصاً اشعار مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنائی عہد ابراہیم میں بھی شعر کہتے تھے جامی نے نفحات میں سنائی کے قصیدے کو سلطان محمود کے نام بتلایا ہے لیکن جیسا کہ خود سنائی کے بیان اور تاریخی استدلال سے ثابت ہوتا ہے حقیقت حال صرف اسی قدر ہے کہ سنائی نے سلطان ابراہیم کا عہد تو دیکھا لیکن اس عہد میں ان کی شاعری کا آغاز نہیں ہوا تھا یا کم از کم مجذوب کی بڑ اور سلطان کی تعریف میں قصیدہ کہنے کا واقعہ نہیں ہوا اس لئے کہ سنائی نے بقول خود حدیقہ کی تصنیف ۵۲۵ھ میں مکمل کی چنانچہ فرماتے ہیں

پنج صد بست و چار رفتہ ز عام ... پنج صد بست و پنج گشتہ تمام

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

عمر دادم ۶۰ بہ جملگی برباد ... بر من آمد ز شصت صد بیداد

میری تمام عمر برباد ہو گئی۔ ۶۰ سالہ ہونا میرے لئے تکلیفوں کا موجب بن گیا

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے

پائے بر پائم آمد از غم شصت ... لا جرم دست میزنم بر دست

۶۰ سالہ ہونے کے غم نے جینے سے مجبور کر دیا۔ اب کف افسوس مل رہا ہوں

اس صورت میں کہ سنائی کی عمر حدیقہ کی تالیف کے وقت ۶۰ سال تھی اور وفات ۵۴۵ ہجری میں ہوئی ان کی عمر ۸۰ یا ۸۵ سال کے قریب تھی سلطان ابراہیم نے بقول منہاج سراج ۴۹۲ھ میں وفات پائی سلطان کی وفات کے وقت سنائی کی عمر ۲۷ سال کے قریب ہو گی اور ۴۶۲ھ میں جب سلطان ابراہیم نے

لہ ابن اثیر و گذیدہ ۱۲

ہندوستان پر لشکرکشی کی سنائی کی عمر سات سال کے قریب ہوگی اور یہ خوردسالگی شاعری کے منافی ہے۔ اس کے علاوہ سنائی کے اقوال میں کسی جگہ بھی سلطان ابراہیم کا ذکر موجود نہیں۔ صاحب مجمع الفصحا کا یہ قول کہ سنائی کی ولادت سلطان یمین الدولہ محمود کے آخر عہد میں ہوئی صحت سے بعید ہے۔ اس لئے سلطان محمود نے بقول جملہ مورخین ۴۲۱ھ میں وفات پائی، اور سنائی نے ۵۴۵ھ میں۔ مگر سنائی کی ولادت سلطان محمود کے سال وفات میں ہوئی ہو تو اس صورت میں سنائی کی عمر ۱۲۴ سال ٹھہرتی ہے اور یہ حد عمر طبعی سے زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ سنائی نے حدیقہ میں اپنی جو عمر بتائی ہے اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ان کی عمر ۸۰ یا ۸۵ سال کے قریب ہوئی۔

مختاری کا قصیدہ بھی اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا سنائی نے سلطان ابراہیم کے عہد میں شاعری شروع کی تھی اول اس وجہ سے کہ قصیدہ میں ممدوح کا نام نہیں لیا گیا اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ سلطان ابراہیم کی مدح میں ہے دوسرے اس قصیدہ میں ممدوح کو ہندوستان کے انتظام کی ترغیب دی گئی ہے۔

بہ ہندوستاں کن کارے چناں کالبے پر از حشمت   کہ عبرت نامہ، ماند مردان در خراسانش

ہندوستان میں وہ کارنامہ کر جس سے خراسان کے لوگ سبق حاصل کریں

سلطان ابراہیم نے جیسا کہ مذکور ہوا ۴۷۲ھ میں ہندوستان پر فوج کشی کی تھی اس وقت سنائی کی عمر کم از کم بیس سال ہونی چاہئے تھی کہ سلطان کی مدح کر سکتا اور یہ پہلے ہی واضح کیا جا چکا ہے کہ سنائی کی عمر اس وقت سات سال تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سنائی کی ولادت سلطان ابراہیم کے عہد میں ہوئی اور انھوں نے سلطان مسعود پسر ابراہیم کے عہد میں شاعری شروع کی جو بہرام شاہ کے عہد میں ختم ہوئی۔

سلطان ابراہیم ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن مسعود (انار اللہ برہانہ) اپنے بھائی فرخ زاد کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے (فرخ زاد نے ۴۵۱ھ میں بعارضۂ قولنج وفات پائی) اس وقت تخت و تاج محمودی حوادث روزگار کا کھلونا بنا ہوا تھا ایک طرف امرا کا نفاق اندرون ملک سلطنت کی جڑوں پر تیر چلا رہا تھا دوسری طرف ترکان سلجوقی کا بڑھتا ہوا اقتدار اس کی بنیاد پر ہتھوڑے لگا رہا تھا۔ سلطان ابراہیم کے پیش نظر دو مقاصد

تھے ایک آل سلجوق کے فتنہ کو کچلنا جو خاندان سلجوق کے دیرینہ دشمن تھے اور دوسری طرف ملک کے داخلی نظام میں ترمیم و اصلاح جس کی خرابی تباہی کو قریب تر لا رہی تھی۔

سلطان نے پہلا اقدام جو کیا وہ داؤد بن میکائیل سلجوقی سے صلح اور بھائی بندی کا عہد تھا۔ ابن اثیر رقم طراز ہے کہ سلطان ابراہیم نے ۴۵۱ھ میں داؤد سلجوقی سے صلح کر لی دونوں بادشاہوں کو یہ احساس تھا کہ جنگ سے خونریزی اور لشکروں کی زحمت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس واسطے ایک دوسرے کے متصرفات کی حفاظت کا عہد کر لیا۔ منہاج سراج رقم طراز ہے کہ جب داؤد کو سلطان ابراہیم کے جلوس کی خبر پہنچی معززین خراسان کو بھیج کر سلطان سے صلح کر لی سلطان ابراہیم خانوادہ سبکتگین کے مردان کار آزمودہ میں شمار ہوتا ہے وہ عظمت محمود کے چراغ کو مکرر روشن کرنا اور اسلاف کی مفتوحہ کشور کو از سر نو مسخر کر کے اپنی سلطنت کی حدود بڑھانا چاہتا تھا لیکن اس راہ میں بڑی بڑی مشکلیں حائل تھیں۔ سلطان محمود کی وفات کے بعد اس خاندان میں جو نفاق پیدا ہو گیا تھا وہ بڑھتا جا رہا تھا اور جس نسبت سے یہ نفاق ترقی کر رہا تھا اسی نسبت سے خاندان محمودی کی طاقت کم ہو رہی تھی اور دشمنوں کی طاقت بڑھتی جاتی تھی۔

ناصر دین اللہ سلطان مسعود کا اپنے بھائی امیر محمد کے ہاتوں شہید ہونا۔ مسعود اور محمود کے جمع کئے ہوئے مال غنیمت کا غزنی کی فوج کے ہاتھ آنا۔ حق ناشناس طغرل کی شورش اور خاندان محمودی میں قتل عام کا ہونا ایسے جانگداز صدمے تھے کہ ان سے یکے بعد دیگرے اس خاندان ذی شان کے اقتدار کو سخت نقصان پہنچا جس وقت ظہیر الدولہ ابراہیم نے تخت سلطنت غزنی پر جلوس فرمایا اس وقت سلطنت محمود کے دو بڑے حصے یہاں تک بلخ۔ بست اور ہرات بھی سلاجقہ کے قبضہ میں تھے[1] بہر حال ابراہیم نے غزنی میں اپنی سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کیا اور ہندوستان میں اپنے اقتدار کا اثر بڑھایا منہاج سراج لکھتا ہے کہ سلطنت غزنی میں حوادث ایام اور وقائع عجیبہ کے باعث جو خلل پڑ گیا تھا سلطان ابراہیم کے عہد میں اس کا ازالہ ہو گیا مملکت محمودی از سر نو سرسبز و آباد ہونے لگی ابن اثیر و ابو الفداء سلطان ابراہیم کو شاہ عادل دمجاہد کریم کہتے ہیں اور اس کے فضل و دانش کی تعریف کرتے ہیں ان مورخین کا بیان ہے کہ سلطان سال بھر میں

---

[1] اس کی تفصیل تاریخ سلاجقہ مؤلف عماد کاتب

ایک بار کلام مجید کو اپنے ہاتھ سے لکھتا اور کعبہ شریف میں بھیج دیتا۔ ہر سال تین مہینے روزہ رکھتا۔ فرشتہ بحوالہ جامع الحکایات رقم طراز ہے کہ سلطان ابراہیم ہر سال ایک بار امام یوسف سجاوندی کو اپنی مجلس میں بلاتا امام یوسف وعظ اور پند کے دوران میں جو سخت باتیں بے محابا کہتے سلطان ان سے آزردہ نہ ہوتا۔ دولت شاہ سمرقندی بحوالہ مقامات ناصری رقم طراز ہے کہ سلطان راتوں کو غزنی کے محلوں میں گھومتے اور یتامیٰ اور بیوگان کو اپنے ہاتھ سے کھانا دیتے۔ سلطان کے عہد میں تمام بیماروں کو دوا اور غذا حکومت کی طرف سے مہیا کی جاتی سلاطین سلجوقی سلطان سے تعلیم حاصل کرتے اور اس کا احترام بجالاتے۔

سلطان ابراہیم کے عہد میں غزنی کی فوج نے شہر سکلکند[۱] پر حملہ کرکے اس کو لوٹ لیا اور سلطان ملک شاہ سلجوقی کے چچا عثمان کو جو امیر الامرا کا لقب رکھتا تھا گرفتار کرکے غزنی لے آئی سلطان ابراہیم نے اسی سال ہندوستان پر فوج کشی کی اور لاہور کے قریب قلعہ اجود[۲] کو فتح کرلیا۔ محصور فوج نے جس کی تعداد دس ہزار تھی ہتھیار ڈال دیئے سلطان اجود کی تسخیر کے بعد قلعہ روپال پر حملہ آور ہوا۔ ابن اثیر رقم طراز ہے کہ قلعہ روپال ایک پہاڑی پر واقع تھا قلعہ کے ایک طرف دریا رواں تھا اور دوسری طرف ایک گھنا جنگل واقع تھا قلعہ کی طرف صرف ایک پگڈنڈی جاتی تھی اس کے سوا اور کوئی راہ نہ تھی۔ اس قلعہ کی حفاظت کے لئے ایک کثیر فوج موجود تھی محصور فوج کے پاس ہاتھی بھی تھے لیکن سلطان نے عزم آہنی سے قلعہ کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد دوسرے دو مقامات کو تین مہینے اور اٹھارہ روز کے محاصرہ کے بعد فتح کرلیا اور بےحد مال غنیمت لے کر غزنی واپس آیا۔ ابو الفرج رونی نے اس فتح کی نسبت میں قصیدہ لکھا ہے۔ سلطان ابراہیم کے عہد کے دوسرے اہم واقعات میں سے یہ ہے کہ سلطان نے ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی سے اپنے فرزند مسعود کا عقد کرلیا۔

منہاج سراج ملک شاہ کی دختر کا نام مہد عراق میں بتاتا ہے اور فرشتہ بھی اس کی تائید کرتا ہے ابن اثیر لکھتا ہے کہ مسعود کی شادی میں آل سلجوق کے مشہور وزیر نظام الملک نے ایک لاکھ دینار اپنے

۱؎ سکلکند بفتح اول و سکون ثانی طغارستان میں ایک بستی کا نام ہے معجم البلدان ۲؎ یہ وہ قلعہ ہے کہ جہاں بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔

مال سے خرچ کئے۔

سلطان ابراہیم کے عہد کے دوسرے واقعات میں وہ حیلہ بھی قابل ذکر ہے جو اس نے ملک شاہ سلجوقی کے ساتھ کیا اور اس کو مشرق میں جنگ کا بڑا حیلہ سمجھا جاتا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ سلطان ملک شاہ سلطان ابراہیم کے ساتھ عہدنامہ صلح ہونے سے پہلے غزنی پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ جس وقت اس کی فوج حملہ کرنے کے لئے جمع ہوگئی سلطان ابراہیم نے ایک تدبیر سوچی اور اپنی طرف سے ملک شاہ کے امرائے لشکر کے نام ایک مکتوب لکھا اور اس میں درج کیا کہ آپ نے عہد کیا ہے کہ جس وقت ملک شاہ کا اور میرے لشکر کا مقابلہ ہوگا اس وقت ملک شاہ کو گرفتار کرکے میرے حوالہ کردوگے میں آپ کے اس عہد سے بہت خوش ہوں۔ اس مکتوب کو سر بمہر کرکے ملک شاہ کے لشکر میں بھیج دیا اور قاصد سے کہہ دیا کہ ملک شاہ کے حضور میں پہنچ جانا۔ اور اول مکتوب لانے کا اقرار نہ کرنا۔ ملک شاہ مجبور کرے تو اس وقت یہ مکتوب اس کو دے دینا۔ ملک شاہ کو شکار کا بہت شوق تھا قاصد جنگل میں ہی ایک مقام پر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ ملک شاہ نے اس سے ہر چند استفسار کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ آخر ملک شاہ نے حکم دیا کہ اس کے تازیانے لگائے جائیں۔ قاصد کے تازیانہ زنی کے وقت مکتوب اس کے کیسہ سے نمایاں ہوگیا۔ ملک شاہ اس مکتوب کو دیکھ کر اپنے امرا سے بدظن ہوگیا اور جنگ کا ارادہ ملتوی کردیا۔ سلطان ابراہیم کی وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض مورخین سال وفات ۴۸۱ھ بتاتے ہیں محققین متاخر کے نزدیک دوسری روایت صحت سے زیادہ قریب ہے۔

سلطان علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم (مسعود ثالث) سلطان مسعود بن سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود بن سلطان محمود بقول ابن اثیر ۴۸۱ھ میں تخت بادشاہی پر جلوس فرما ہوتے۔ طبقات ناصری میں بقول منہاج سراج ان کا سال جلوس ۴۹۲ھ ہجری تھا۔ سلطان مسعود خاندان محمود کا نیک نام بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں غزنی راحت و آرام کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ سلطان نے سلجوقیوں کے حملے سے اپنی سلطنت کو محفوظ کردیا تھا اور ہندوستان میں اپنی سلطنت کی حدود بڑھالی تھیں۔ مسعود کی افواج دریائے گنگا کو عبور کرکے اس مقام تک پہنچی جہاں سلطان محمود کبیر کی فوج کے سوا امرائے اسلام میں سے کسی کی فوج نہیں پہنچی تھی۔

حکیم سنائی مسعود کے عہد میں خاندان محمودی کی سلطنت کو ایک سمندر سے تشبیہ دیتا ہے خاک غزنی کو آسمان بلند اور اس خاک کے نقش کو عرش کا ہمسر ٹھہراتا ہے دوسرے شعرا نے اس عہد کو غزنی کی نئی جوانی کے دور سے تعبیر کیا اور اس کی سعادت اور خوش بختی کی تعریفیں کی ہیں۔ اس عہد میں افواج غزنی دریائے گنگا کو عبور کر کے آگے بڑھیں۔

اور طغان تگین نامی سردار لشکر نے قلعہ جنگوان فتح کر لیا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ سلطان نے شوال ۵۰۸ھ ہجری میں وفات پائی۔ بقول فرشتہ منہاج سراج سلطان نے ۵۰۸ھ ہجری میں بمقام غزنی داعی اجل کو لبیک کہا۔

اگر سلطان کے جلوس کا سال ۴۹۲ھ مقرر کریں تو ان کی بادشاہی کی مدت ۱۶ سترہ سال تھی اگر ۴۸۱ھ فرض کریں تو یہ مدت ۲۸ سال ہوتی ہے دولت شاہ نے سلطان مسعود کی حکمرانی کا زمانہ ۶۰ ساٹھ سال بتایا۔ اور یہ بالکل بعید از قیاس ہے۔

ارسلان شاہ | تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان مسعود کی وفات کے بعد اس کا فرزند ارسلان شاہ ثانی تخت نشین ہوا لیکن حمد اللہ مستوفی تاریخ گزیدہ میں لکھتا ہے کہ مسعود کی وفات کے بعد اول اس کا بیٹا شیرزاد بادشاہ ہوا اور ایک سال کے بعد ارسلان شاہ نے اسے قتل کر کے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی لیکن مسند فرمانروائی پر متمکن ہونے کے بعد سلطنت کے ثبات و قیام کی کوشش کرنے کی بجائے وہ اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کا موجب بن گیا۔ اپنی والدہ مہد عراق کو ذلیل کیا اور آل سلجوق کو اپنے اوپر دلیر اور جری کر لیا جس انتظام کو مسعود اور ابراہیم نے از سر نو درست کیا تھا اس کا سلسلہ توڑ دیا۔ اپنے بھائیوں کو قید خانے میں ٹھونسا۔ بعض کو مار ڈالا۔ اور بعض کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی۔ لیکن بہرام شاہ اس سے بھاگ کر اپنے ماموں سنجر سلجوقی کی پناہ میں چلا گیا۔ سنجر اس وقت اپنے بھائی سلطان محمد کی طرف سے حکومت خراسان پر مامور تھا۔ اس نے بہرام شاہ کی حمایت کی اور ارسلان شاہ کو لکھا کہ بہرام شاہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے لیکن ارسلان شاہ نے قبول نہ کیا۔ آخر کار سنجر نے بہرام شاہ کی مدد کے لئے ایک فوج تیار کی اور بہرام شاہ کو تخت و تاج دلانے کے لئے حملے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

سنجر کے لشکر نے پوری تیاری کے بعد ابوالفضل نصر بن خلف حاکم سجستان کی قیادت میں غزنی پر حملہ کیا۔ ارسلان شاہ کو ہزیمت پر مجبور کردیا ارسلان شاہ نے ہر چند منت وسماجت کی اور حملہ آور فوج کے سرداروں کے لئے احسان کا جال بچھایا لیکن وہ اس میں نہ پھنسے۔ سنجر خود بھی غزنی پہنچ گیا۔ ارسلان شاہ نے اپنی والدہ مہد عراق کو سفارش کے لئے سنجر کے پاس بھیجا کہ اس کو بہرام شاہ کی مدد اور غزنی کی فتح سے باز رکھے۔ مہد عراق بے شمار تحائف لے کر جس میں دو لاکھ دینار بھی تھے سنجر کے پاس پہنچی لیکن سنجر کو غزنی پر حملہ کرنے سے باز رہنے کی بجائے اس پر قابض اور متصرف ہونے کی ترغیب دی۔ سنجر نے غزنی پر حملہ کیا شہر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر دونوں افواج کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس معرکے میں ارسلان شاہ کے پاس تیس ہزار سوار کئی ہزار پیادے اور ایک سو بیس ہاتھی تھے ہر ایک ہاتھی پر چار سپاہی سوار تھے اور ہاتھیوں کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی گئی تھی لیکن لشکر اور اسلحہ کی کثرت کے باوجود ارسلان کو شکست ہوئی اور بقول ابن اثیر بہرام شاہ اور سنجر شوال ۵۱۰ھ ہجری میں فاتحاً اور متحداً داخل غزنی ہوئے سنجر نے چالیس روز غزنی میں قیام کیا اور ارسلان شاہ کی طرف سے پورے طور پر مطمئن ہونے کے بعد طوس چلا گیا لیکن زیادہ روز نہیں گذرنے پاتے تھے کہ ارسلان شاہ نے ہندوستان سے ایک لشکر لے کر غزنی کا قصد کیا۔ بہرام شاہ مقابلے کی تاب نہ دیکھ کر بامیان چلا گیا اور سنجر سے مدد کا طالب ہوا۔ سنجر نے پھر ایک لشکر جرار مرتب کرکے ارسلان شاہ کے مقابلے کے لئے بھیج دیا ارسلان شاہ لشکر سنجر کے آنے کی خبر سن کر غزنی سے چلا گیا اور ایک مہینہ تخت سلطنت پر جلوہ فرما رہنے کے بعد ایک کوہ نشین افغان قبیلہ کے پاس پناہ لی۔ سنجر کی فوج نے تعاقب کرکے اسے گرفتار کرلیا اور سنجر کے پاس لے جانا چاہتے تھے لیکن بہرام شاہ نے روک دیا اور غزنی میں تلوار کے گھاٹ اُتار دیا قتل کے بعد ارسلان شاہ کی نعش اس کے باپ کی تربت کے پاس دفن کردی گئی ابن اثیر اور فرشتہ نے اس کی عمر ستائیس[۲] سال بتائی ہے اور منہاج سراج نے ۲۵ سال ابن اثیر کے نزدیک یہ واقعہ ۵۱۲ھ میں ہوا۔ منہاج سراج کے نزدیک ۵۱۱ھ میں۔

بہرام شاہ | بہرام شاہ علم دوست اور معارف پرور بادشاہ تھا۔ لیکن تدبیر وسیاست بادشاہی میں زیادہ دور اندیش نہ تھا۔

بہرام شاہ کے عہد سلطنت میں شعر و ادب کا نیا دور شروع ہوا۔ جس طرح سلطان محمود غزنوی نے شعر و شاعری کو حیاتِ جاوداں بخشی تھی اسی طرح شہریار کی عہد میں شاعری کا سنگ بنیاد اخلاق و تصوف کی اساس پر رکھا گیا۔ عصر محمودی نے فردوسی اور عنصری پیدا کئے تھے۔ بہرام شاہ کے عہد نے سنائی سے کسب افتخار کیا۔ شعراء کی جو قدر اور عزت عہد محمود انار اللہ برہانہ میں تھی وہی بہرام شاہ کے عہد میں تھی بہرام شاہ بھی سلطان محمود کبیر کی طرح اپنے ملک کے علما کی قدر کرتا تھا اور شعراء کے ساتھ محترمانہ پیش آتا تھا۔ اسی وجہ سے شعراء بھی اسے دل سے دوست رکھتے تھے۔

سید حسن شاعر کہتا ہے

سلطان یمین دولت بہرام شاہ شاہ ۔ کہ اقبال او گرفت با الصاف در برم

سلطان یمین دولت بہرام شاہ کے اقبال نے الصاف کے ساتھ مجھے پہلو میں بٹھایا

اے کاشکہ پذیردے دکارش آمدے ۔ تا جان نہادہ در طبقے پیش او برم

کاش وہ قبول کرتا اور اس کے کسی کام آتی تو میں اپنی جان ایک طبق میں رکھ کر نذر کر دیتا

حکیم سنائی فرماتے ہیں

عرش اگر بارگاہ را زیبد ۔ شاہ بہرام شاہ را زیبد

عرش اگر کسی کی بارگاہ کے لئے موزوں ہے تو بہرام شاہ کے لئے زیب دے گا

برخور اے بر شدہ سپہر بلند ۔ تو بہ پیرانہ سر از چنین فرزند

اے اونچے آسمان اپنی پیرانہ سالی میں اس فرزند سے فائدہ اٹھا

شہ جوان و جہان جوان و زمان ۔ در اماں ہمچو روضۂ رضواں

بادشاہ جوان ہے جہان جوان ہے اور زمانہ روضۂ رضواں کی طرح امن میں ہے

سلطنت بہرام شاہ کے عہد کی ایک یادگار کتاب کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ ہے یہ کتاب مدتوں سے دنیا کے دانشمندوں اور عالموں کی منظور نظر تھی اول اس کو ابی جعفر منصور عباسی کے کاتب عبداللہ بن المقفع نے پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیا اس کے بعد زمانہ خلافت مہدی ۱۶۵ھ میں عبداللہ بن الہلال الاھوازی نے

فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور مشہور وزیر یحییٰ بن خالد برمکی بلخی کی خدمت میں پیش کیا اور سہل بن نوبخت حکیم نے اس کو یحییٰ بن خالد کے لئے رشتۂ نظم میں منسلک کیا۔ آل سامان کے عہد میں نصر بن احمد نے اپنے معاصر علماء میں سے ایک کو حکم دیا کہ اس کتاب کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کریں اس خاندان کے مشہور شاعر استاد رودکی نے اس کو فارسی میں منظوم کر دیا۔ دولت غزنوی کے عہد میں بہرام شاہ نے نصر اللہ بن عبد الحمید (۵۵۹ - ۵۴۳) کو حکم دیا کہ اس کو دوبارہ عربی سے فارسی میں عبد اللہ بن المقفع کے نسخہ سے ترجمہ کرے۔ نصر اللہ نے بہرام شاہ کے نام پر اس کا ترجمہ کیا۔ اور اس طرح ادب کی بڑی خدمت کی۔ اس کی محنت نے اس کتاب کو جو کئی ملتوں کے دانشمندوں کے افکار کا نچوڑ اور تجربات کا نتیجہ تھی زندہ کر دیا۔

بہرام شاہ پینتیس ۳۵ سال تک مسند فرمانروائی پر متمکن رہا اور اس مدت میں کئی بار ہندوستان پر فوج کشی کر کے نمایاں فتوحات حاصل کیں ایک بار محمد باہلیم نے جو ہندوستان میں ارسلان شاہ کا سپہ سالار تھا بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔

بہرام شاہ نے ۵۱۲ھ ہجری میں اس کو گرفتار کر لیا لیکن چند روز بعد اس کی جاں بخشی کر کے پھر ہندوستان کی سپہ سالاری پر سرفراز کر دیا۔ باہلیم نے پھر بہرام شاہ کی مخالفت پر کمر باندھی۔ بہرام شاہ اس کی گوشمالی کے لئے ایک لشکر جرار لے کر ہندوستان پہنچا نواح ملتان میں دونوں لشکروں کی مڈبھیر ہوئی۔ باہلیم کے لشکر نے شکست کھائی اور اپنے فرزند سمیت ایک دلدل میں اس طرح پھنس گیا کہ راکب اور مرکوب کا کوئی نشان نہ رہا لیکن افسوس بہرام شاہ کے عہد میں غزنی کو جو خوشحالی نصیب ہوئی تھی وہ دولت مستعجل تھی اور جلد ہی محو اور ناپدید ہو گئی۔ بہرام شاہ نے غور کے شہریار آتشیں کردار علاء الدین جہاں سوز کے بھائیوں کو قتل کر کے جس غلطی کا ارتکاب کیا وہ سلطنت غزنی کی بنیاد کو تباہ کرنے کا موجب ہوگئی

غزنی اور جہاں سوز | یہ واقعہ اس طرح ہے کہ سلطان علاء الدین کا بھائی قطب الدین محمد بن عز الدین حسین معروف بملک الجبال غور میں اپنے بھائیوں سے کسی قضیہ کی بنا پر ناراض ہو کر غزنی چلا آیا۔ بہرام شاہ نے اس کو اپنا داماد بنا لیا اور غزنی میں ٹھہرا لیا۔ مخالفین نے بہرام شاہ کو قطب الدین کی طرف سے یہ کہہ کر

بدگمان کردیا کہ یہ آپ کے تخت وتاج کی فکر میں ہے۔ بہرام شاہ کے حکم سے قطب الدین کو پوشیدہ طور پر شربت میں زہر ملا کر ہلاک کردیا گیا یہ واقعہ قتل سوری کے بعد دوسری بار خاندان غزنوی اور غوری میں عداوت کا موجب بن گیا۔ سیف الدین غوری نے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ایک لشکر کے ساتھ غزنی پر حملہ کردیا۔ اور بقول فرشتہ بہرام شاہ مقابلہ کی تاب نہ لاکر کرمان چلا گیا۔ و بقول ابن اثیر ہندوستان چلا گیا۔ سیف الدین نے ۵۴۳ھ ہجری میں غزنی کو فتح کر لیا۔

باشندگان غزنی اگرچہ ظاہر میں سیف الدین غوری کے حامی تھے لیکن باطن میں اس نسبت وفا کے باعث جو سلاطین غزنی سے رکھتے تھے اور احسان و مروت کے ان حقوق کی بناء پر جو خاندان محمودی کے متعلق اپنے زیر سمجھتے تھے۔ بہرام شاہ کے ہواخواہ تھے اور اس سے خفیہ خط و کتابت جاری رکھتے تھے۔ سیف الدین نے مطمئن ہوکر اپنا لشکر غزنی سے غور بھیج دیا۔ بہرام شاہ نے وقت سے فائدہ اٹھا کر ۵۴۴ھ میں ایک بڑا لشکر مرتب کیا اور ابراہیم علوی کو سردار سپاہ بنا کر غزنی پر حملہ کردیا۔

سیف الدین بھی غزنویوں کا ایک لشکر فراہم کرکے بہرام شاہ کے مقابلے کے لئے نکلا لیکن جونہی دونوں لشکر مقابل ہوئے سپاہ غزنی سیف الدین سے برگشتہ ہوکر اپنے قدیم ولی نعمت سے جا ملی۔ اور سیف الدین کو گرفتار کرکے بہرام شاہ کے حوالے کردیا۔ بہرام شاہ نے حکم دیا کہ سیف الدین کا منہ کالا کریں اور ایک مریل سے بیل پر بٹھا کر محلات غزنی کے گرد اگرد گھمائیں اور غزنی کی عورتیں اس بیل کے گرد ایک دائرہ کی صورت میں دف بجا بجا کر سیف الدین کی ہجو میں بآواز بلند اشعار گاتی جائیں اور اس کے بعد سیف الدین کو پھانسی پر چڑھا دیں۔ جب سلطان علاء الدین کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے بھائی کو ایسی ذلت اور رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا گیا ہے تو اس کے انتقام کے لئے کمر باندھی اور غور اور غرجستان سے ایک لشکر مرتب کرکے سیف الدین کے خون کا بدلہ لینے کے لئے غزنی پر حملہ کردیا اور اس سے پہلے یہ رباعی جو خود اس نے تصنیف کی تھی قاضی القضاۃ غزنی کے پاس بھیج دی۔

اعضائے ممالک جہاں را بدنم　　　جوینده خصم خویش و لشکر شکنم

اعضائے ممالک جہاں کے لئے میں بدن کی حیثیت رکھتا ہوں میں اپنے دشمن کو تلاش کرتا ہوں اور لشکر شکن ہوں

گر غزنی را ز بیخ و بن بر نکنم بس من نہ حسین ابن حسین حسنم

اگر میں غزنی کی بنیاد اکھیڑ کر نہ پھینک دوں تو حسین کا بیٹا حسین نہیں ہوں۔

جہاں سوز اور بہرام شاہ کے لشکر کے درمیان تین بار لڑائی ہوئی تینوں بار بہرام شاہ کے لشکر کو شکست ہوئی آخری بار بہرام شاہ کی فوج کا سپہ سالار دولت شاہ جو اس کا فرزند تھا ہلاک ہو گیا اور بہرام شاہ دل شکستہ ہو کر ہندوستان بھاگ آیا۔

خواجہ رشید وزیر تاریخ جامعہ میں لکھتا ہے کہ بہرام شاہ اور علاء الدین کا مقابلہ آب باراں کے قریب ہوا۔ بہرام شاہ کے پاس بائیس[۲] ہاتھی بھی تھے لیکن اس کے باوجود علاء الدین سے شکست کھائی اور سردی سے بچنے کے لئے ایک کسان کی جھونپڑی میں پہنچا اور اس سے کہا تمہارے پاس کھانے کے لئے کیا چیز ہے۔ کسان نے فطیری روٹی اور پودینہ پیش کیا۔ بہرام شاہ طعام سے فارغ ہونے کے بعد استراحت کے لئے لیٹ گیا۔ اور کسان سے کہا کہ کوئی کپڑا لاؤ۔ اس نے کہا کہ اے جوان خدا کی قسم بیل کی جھول کے علاوہ میرے پاس کوئی کپڑا نہیں اگر تو اجازت دے تو وہ ہی تیرے اوپر ڈال دوں۔ سلطان نے کہا کہ اے بدبخت اس کا نام کیوں لیا۔ خیر اب جلدی کر اور میرے اوپر ڈال دے دوسرے روز کسان نے سلطان کو پہچان لیا اور کہا کہ اس شجاعت اور فیلان جنگی اور مردان شجاع کے باوجود آپ نے ایک غوری سے کیوں شکست کھائی سلطان نے کسان سے کہا اپنا بیلچہ اٹھاؤ کسان نے اس کی تعمیل کی۔ سلطان نے کمان اٹھا کر بیلچہ پر تیر چلایا۔ تیر بیلچے سے بآسانی گذر کر زمین میں جا گرا۔ سلطان نے تبسم کیا اور کہا کہ زور بازو کا یہ تو حال ہے لیکن نصیب رو گرداں ہے۔

کہتے ہیں کہ سلطان علاء الدین اس حد تک خشمگیں تھا کہ لڑائی کے وقت سرخ اطلس کا جامہ پہنا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ فرمایا کہ جب میرے اعضاء زخمی ہو جائیں اور خون جسم پر رواں ہو تو میری فوج کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میں زخمی ہوں اور میری آنکھ بھی خون کو نہ دیکھے۔ آخر کار علاء الدین نے غزنی کو فتح کر لیا اور اپنے دو بھائیوں کا انتقام لینے کے لئے ایک قول کے مطابق تین شبانہ روز اور ایک قول کے مطابق سات شبانہ روز شہر میں قتل و غارت اور آتش زنی کا بازار گرم رکھا۔ دارالعلم مشرق

کو جلا دیا۔ محمود کی خوابگاہ کو اس کی اولاد کے خون سے رنگین کیا۔ اور حکم دیا کہ سبکتگین اور محمود اور مسعود اور ابراہیم کے سوا تمام سلاطین محمودی کی ہڈیاں قبروں سے نکال کر جلا دی جائیں ان سات روز میں علاء الدین غزنی کے قصر سلطنت میں محوِ عیش رہا۔ سات روز کے بعد لشکر کو قتل غارت سے ہاتھ کھینچنے کا حکم دیا اور یہ اشعار اپنی مدح میں لکھے اور مطربوں کو اپنے حضور میں گانے کا حکم دیا۔

جہاں داند کہ من شاہ جہانم — چراغ دودمانِ غوریانم

دنیا جانتی ہے کہ میں شاہ جہاں ہوں۔ اور خاندان غوریان کا چشم و چراغ ہوں

علاء الدین حسین ابن حسینم — کہ دایم باد ملک جاودانم

علاء الدین حسین ابن حسین ہوں میرا ملک ہمیشہ رہے

چو بر گلگونِ دولت بر نشینم — یکے باشد زمین و آسمانم

جب میں سمندِ دولت پر سوار ہوتا ہوں تو میرے لئے زمین اور آسمان ایک ہو جاتے ہیں

ہمہ عالم بگردم چو سکندر — بہر شہرے شہے دیگر نشانم

لوگ سکندر کی طرح میرے گرد بھی جمع ہیں ہر شہر میں ایک نئے بادشاہ کو تخت نشین کرتا ہوں

بر آں بودم کہ از نعماں بہ غزنی — ز تیغ تیز جوئے خوں برانم

میرا ارادہ تھا کہ نعمان سے غزنی آ کر تیغ تیز سے خوں ریزی کروں

ولیکن گندہ پیرانند و طفلاں — شفاعت می کند بخت جوانم

لیکن یہاں بوڑھے اور بچے رہ گئے ہیں اور میرا بخت جواں ان کی جاں بخشی کی سفارش کرتا ہے

بہ بخشیدم بہ ایشاں جانِ ایشاں — کہ بادا جان شاں پیوند جانم

میں نے ان کی جاں بخشی کر دی ہے ان کی اور میری جان ہمیشہ وابستہ رہے